انتظامیہ کے شرعی اصول وضوابط

ڈاکٹر حافظ محمود اختر، اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی لاہور

دنیا کے بہت سے ممالک گوناں گوں معاشی اور سیاسی مسائل سے دوچار ہیں۔ ہر ملک میں کسی نہ کسی پہلو سے عدم توازن کا رجحان پیدا ہو چکا ہے جب ہم ان مسائل کے اسباب کا کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں تو انسان سٹپٹا کر رہ جاتا ہے کہ یہ مسائل اس قدر پیچ در پیچ ہیں کہ ان کا سرا کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ پورا معاشی، سیاسی اور معاشرتی ڈھانچہ بحران کا شکار ہو چکا ہے اور ہر ایک شعبے نے دوسرے شعبے کو بری طرح متاثر کیا ہوا ہے۔

ان گوناں گوں مسائل میں سے ایک مسئلہ مملکت کی انتظامیہ کے حدود کار اور اس کے اختیارات کا ہے۔ انتظامیہ کی تشکیل اور اختیارات میں اس قسم کا بنیادی نقص موجود ہے کہ اختیارات، انتظامیہ میں مرتکز ہوتے جا رہے ہیں، پارلیمنٹ، انتظامیہ کی مرہون منت ہوتی جا رہی ہے بلکہ اس کی دستبرد سے اب عدلیہ بھی محفوظ نظر نہیں آ رہی۔ اس سے سیاسی عدم توازن اور معاشرتی بے چینی جنم لے رہی ہے۔

آئندہ سطور میں ہم اسلامی شریعت کی روشنی میں انتظامیہ کے اصول وضوابط پر روشنی ڈالیں گے تاکہ یہ واضح کیا جا سکے کہ موجودہ سیاسی مسائل کے حل کے سلسلے میں شریعت اسلامیہ کیا لائحہ عمل پیش کرتی ہے۔ مسائل کیا ہیں اور شریعت کے احکام کیا ہیں؟ ان احکام کا اطلاق، مسائل پر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

انتظامیہ کی تشکیل، اختیارات اور اس کے حدود کار کا مسئلہ بڑا وسیع ہے۔ لہٰذا ہم اس سلسلے میں پائے جانے والے ان بنیادی مسائل پر ہی روشنی ڈالیں گے جن پر پورے سیاسی ڈھانچے کا دارومدار ہے۔

کسی ملک کی انتظامیہ کے حدود، فرائض، اختیارات اور اس کی تشکیل، اس ملک کے سیاسی، معاشی،

معاشرتی اور مذہبی پس منظر میں ہی کی جاتی ہے۔ اسی پس منظر میں ریاست اپنے مسائل کے حل کے لیے اپنے مقاصد کا تعین کرتی ہے اور ان مقاصد کی تکمیل کو انتظامیہ کی ذمہ داریوں میں شامل کرتی ہے۔

اس لیے اسلامی مملکت میں انتظامیہ کی تشکیل اور اس کے اصول وضوابط کا تعین اسی پس منظر میں کیا جائے گا کہ اسلامی مملکت کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ اور اس کے سامنے کیا مقاصد کارفرما ہوتے ہیں؟ اس لیے انتظامیہ کے اصول وضوابط پر بات کرنے سے قبل ہم نہایت اختصار کے ساتھ اسلامی مملکت کی نوعیت و مقاصد کے نمایاں پہلو بیان کریں گے۔

۱۔ اسلامی مملکت (Theo Democratic) مملکت ہوتی ہے [۱]

یہاں کسی مذہبی یا سیاسی گروہ کی اجارہ داری نہیں ہوتی۔ اس کے مقاصد میں یہ بنیادی باتیں شامل ہیں۔

۱۔ قرآن مجید میں اس سلسلے میں فرمایا گیا۔ "تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسانی کے لیے نکالا گیا ہے تاکہ نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو" [۲]

۲۔ سورۃ الحج میں فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں، اگر ہم زمین میں حکومت عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں [۳]

۳۔ سورۃ الحدید میں فرمایا۔ ہم نے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں زبردست قوت اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں [۴]

ان آیات مبارکہ میں مندرجہ ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں

۱۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

۲۔ اقامتِ صلوٰۃ اور دیگر عبادات کے لیے مناسب فضا کا اہتمام۔ گویا اقامت دین کا کام کرنا۔

۳۔ نظامِ عدلِ اجتماعی کا اہتمام اور برائی کا طاقت سے خاتمہ۔

اسلامی مملکت میں دین وسیاست کی جدائی نہیں بلکہ دونوں یکجا ہیں۔ دین کی پشت پناہی اور تائید وحمایت اور نفاذ کے لیے سیاست اور سیاست کی راہنمائی کے لیے دین کی موجودگی ضروری اور بدیہی ہے [۵]

یہاں طاقت کا سرچشمہ عوام، پارلیمنٹ یا کوئی ادارہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ ہی مقتدرِ اعلیٰ ہے۔ پارلیمنٹ صرف ان پہلوؤں پر قانون سازی کرے گی [۶]

۱۔ جہاں کتاب وسنّت کی واضح ہدایت موجود نہ ہو۔

۲۔ جہاں کتاب وسنّت کی نصوص ایک سے زیادہ تعبیرات کی حامل ہوں وہاں اپنے معاشی، معاشرتی حالات کی مناسبت سے موزوں تعبیر کے مطابق قانون سازی کرنا۔

۳۔ جہاں کتاب وسنّت کی واضح تعلیمات موجود نہ ہوں وہاں نظائر کی روشنی میں اپنے حالات کی مناسبت سے قانون سازی کرنا۔

۴۔ جدید معاشرتی اور دیگر حالات کے حوالے سے ان علوم کے ماہرین کی آراء کی روشنی میں کتاب وسنت کیمطابق۔

اسلام اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ یہاں گروہی بنیادوں پر پارلیمنٹ کے اندر گروپ بنیں اور اکثریت والا گروہ اپنی مرضی سے قانون سازی کرے اور دوسرا گروہ برسرِ اقتدار آکر اس قانون کو منسوخ کر دے اور یوں قانون سازی اور تنسیخِ قانون کا سلسلہ چل پڑے۔ اسلامی سربراہِ مملکت کے اختیارات تفویضی ہوتے ہیں وہ ایک طرف خدا تعالیٰ کی طرف سے امانت کا امین ہوتا ہے اور دوسری جانب شہری اپنی خلافت کا حق اپنے میں سے ایک شخص کو تفویض کر دیتے ہیں کہ وہ ان کی جانب سے ان کے اختیارات استعمال کرے۔ گویا وہ ذاتی طور پر کچھ اختیارات کا حامل نہیں ہوتا۔

اسلامی مملکت محض اسی نظریے پر کاربند نہیں ہوتی کہ وہ برائیوں کا خاتمہ کرے گی بلکہ اس کے سامنے مثبت مقاصد ہوتے ہیں گویا وہ ایک "ایجابی مملکت" ہوتی ہے۔ وہ اچھائی اور نیکی کے غلبے کی ذمہ دار اور عدلِ اجتماعی کے قیام کے مقصد کی حامل ہوتی ہے۔ اس کا دائرہ کار محض دنیوی امور تک محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمہ گیر پروگرام رکھتی ہے۔ اس کا کوئی شہری اپنے کسی فعل کو پرائیویٹ اور ذاتی فعل کہہ کر بے راہ روی کی طرف نہیں جا سکتا بلکہ وہ فرد کی اصلاح بھی کرتی ہے، اس کے حقوق کی ضمانت بھی دیتی ہے اور معاشرے کے حوالے سے فرد کو اپنے فرائض سرانجام دینے پر مجبور بھی کرتی ہے۔ یہ ایک نظریاتی اور اصولی ریاست ہوتی ہے جس کا مطمعِ نظر انسانوں کی دنیوی فلاح کے ساتھ ساتھ اخروی نجات کا سامان پیدا کرنا بھی ہوتا ہے[۵۴]

سربراہِ مملکت اسلامی مملکت کے اس ذہنی پس منظر کی وضاحت کے بعد اب ہم اس کی انتظامیہ کے ذمہ دار لوگوں، اور اس کی تشکیل اور طریق کار پر روشنی ڈالیں گے۔ اسی پس منظر میں اس کی انتظامیہ اپنا کاروبار جاری رکھے گی۔ انتظامیہ میں سب سے اہم عہدہ سربراہِ مملکت کا ہے۔ ہم سب سے پہلے اسی عہدہ کی نوعیت

اور اس کے فرائض کا ذکر کریں گے۔ اسلامی ریاست میں انتظامیہ کے سربراہ کو باقی سربراہان مملکت کے مقابلے میں کچھ امتیازی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ سربراہ انتظامیہ بالکل جداگانہ نوعیت کے فرائض و اختیارات کا مالک ہوتا ہے مثلاً

اس کے اختیارات اس کے عہدے کے حوالے سے نہیں ہوتے بلکہ تفویضی ہوتے ہیں وہ خدا کا نائب اور تمام لوگوں کے اختیارات کا امین ہوتا ہے۔ اس طرح وہ خدا کے سامنے بھی جواب دہ ہے اور عوام بھی اس کا مواخذہ کرنے کا مکمل اختیار رکھتے ہیں۔

اس طرح کی حیثیت کسی بھی سربراہِ مملکت کو حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح اسلامی مملکت کے سربراہ کی اطاعت ایک دینی فریضہ قرار دی گئی ہے اور اس سے روگردانی کرنے والوں کو سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں ۸؎ کیونکہ اسلامی مملکت کا سربراہ محض ایک سیاسی پارٹی کا سربراہ اور ایک گروہ کا نمائندہ نہیں ہوتا بلکہ وہ مملکت کی وحدت و اتحاد کی علامت ہوتا ہے اور اسلام ملی وحدت اور اتحاد و یگانگت کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ اسلامی مملکت، اسلامی وحدت و اتحاد کی بنیاد پر قائم رہتی ہے اور وہ قیام دین اور غلبۂ حق کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اگر مملکت نہ ہوگی تو نہ قیامِ دین کا کام ہوگا اور نہ غلبۂ حق کے لیے جہاد ممکن ہو سکے گا۔ اس لیے مرکزیت و وحدت کو اسلام نے ایک دینی ضرورت قرار دیا ہے اور اسی مناسبت سے اس کے قیام و بقا میں رکاوٹ و خلل ڈالنے والوں کو سلام، اسلام کا باغی قرار دیتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسی تقدس کے غلاف میں اسے "آمرِ مطلق" اور "پاپائیت کی علامت بنا دیا گیا ہے بلکہ اس کی اطاعت کرنا اگر عوام کا فریضہ قرار دیا گیا ہے تو سخت ترین الفاظ میں اسے بھی متنبہ کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض سے اگر روگردانی کا مرتکب ہوتا ہے اور مملکت اسلامیہ کے مقاصد کی تکمیل نہیں کر رہا تو اسے فوراً اس کے عہدے سے ہٹا دیا جائے ۹؎

ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک مضبوط مملکت کے قیام کے لیے اور زیادہ پر اعتقاد طریقے سے کام کرنے کے لیے اسلام نے سربراہ مملکت کو بہت اختیارات بھی دیے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس پر اتنی کڑی حدود و قیود بھی عائد کر دی ہیں کہ کوئی جمہوری مملکت عہد حاضر میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس کے کسی بھی فعل پر اس کا مواخذہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نظائر پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

من ولی امو امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فلم یقم فیھم بکتاب اللہ فعلیہ لعنة اللہ[11]

آپ نے ایک اور موقع پر فرمایا۔

"میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرنا اور جب میں ان کی اطاعت نہ کروں تو میری اطاعت ضروری نہیں"[11]

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

"میں اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے تمہیں جو حکم دوں اس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔ خواہ وہ حکم تمہیں پسند ہو یا ناپسند اور جو حکم اللہ کی نافرمانی میں دوں تو معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ اطاعت صرف معروف میں ہے، اطاعت صرف معروف میں ہے۔ اطاعت صرف معروف میں ہے"[12]

عملی اعتبار سے یہ مسئلہ پیدا ہوگا کہ سربراہ مملکت کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ محض ایک نظری سی بات ہے۔ عملی طور پر جب ایک سربراہ اختیارات استعمال کر رہا ہوگا تو وہ کسی بھی صورت اپنے اس قدر اختیارات کو راہ اعتدال پر رہتے ہوئے استعمال نہیں کرے گا۔ پھر یہ بات کہنی تو آسان ہے کہ اسے ہٹایا جا سکتا ہے۔ لیکن عملاً ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے لیے عوام اگر سڑکوں پر آکر اسے ہٹانے کی کوشش کریں گے تو بدامنی پھیلے گی اور اگر پارلیمنٹ کے ذریعے اسے ہٹانے کی کوشش کریں گے تو موجودہ پارٹی سیاست کے نظام میں ایسا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ پارلیمنٹ تو وزیر اعظم کے اشارے کے مطابق کام کرتی ہے گویا وزیر اعظم کو ہٹانا عملاً ناممکن ہوگا۔

اس سلسلے میں ہم مندرجہ ذیل تجاویز پیش کر سکتے ہیں:

۱۔ آئین میں یہ بات شامل کر دی جائے کہ سربراہ مملکت اگر کتاب و سنت کی تعلیمات کی پاس داری نہیں کرے گا تو آئین کی رو سے وہ قابل مواخذہ اور قابل معزولی ہوگا۔

۲۔ آئین کے تحت ایک سپریم کونسل قائم کی جائے جو اس بات کا جائزہ لیتی رہے کہ کیا سربراہ مملکت اپنے آئینی فرائض پورے کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ایسا نہ کر رہا ہو تو اسے اس کا مواخذہ کرنے اور اسے معزول کر دینے کا اختیار حاصل ہو۔

اگرچہ اس سپریم کونسل کے قیام پر پاکستان میں خاصی بحث و تمحیص ہوتی رہی ہے تاہم پاکستان جیسے حالات میں جہاں سیاسی نظام غیر متوازن ہو چکا ہو، ایک محدود عرصے تک کے لیے ہی سہی، اس طرح کے ادارے کا قیام ناگزیر ہے۔

جہاں تک یہ سوال ہے کہ عوام کی رائے یعنی پارلیمنٹ پر ایک اور بااختیار ادارے کا وجود جمہوری اقدار کے منافی ہے تو کیا پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کو عدالت منسوخ نہیں کر دیتی؟ اور کیا پاکستان کے آئین کی رو سے کسی قانون کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر سکنے کا جواز اور گنجائش موجود ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ صورت موجود ہے اور اس سے جمہوریت پر زد نہیں پڑتی تو سپریم کونسل کے قیام سے بھی اس پر کوئی قدغن نہیں لگے گی۔ ایسی کونسل ناگزیر برائی ہی سہی، لیکن اس کے بغیر غیر متوازن سیاسی نظام میں کسی بہتری کی توقع مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے۔

۲۔ اگر سپریم کونسل کا قیام ممکن نہ ہو تو آئین میں اس کی گنجائش رکھی جائے کہ کوئی بھی ادارہ یا فرد سپریم کورٹ آف پاکستان سے اس مسئلے پر رجوع کر سکے اور وہ حکومت کو اپنے طرزِ عمل میں اصلاح اور بصورت دیگر اسے معزول کرنے کا اختیار رکھتی ہو۔

مختلف عہدوں پر اہل اور باصلاحیت افراد کی تعیناتی کسی بھی ملک میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ نااہل لوگ نہ صرف ملک کا وقار بھی بلند نہیں کر سکتے بلکہ ملکی سالمیت و بقاء کو بھی خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔ اس اہم شعبے میں بھی ہمارا دور بدحالی اور بے اصولی کا شکار ہے۔ سفارش، رشوت اور دباؤ ایسے ہتھیار ہیں جن کے بل بوتے پر نااہل لوگ مختلف عہدوں پر متمکن ہو جاتے ہیں اور ملک معکوس ترقی کرنے لگتا ہے۔

اس سلسلے میں اسلام نے سربراہِ مملکت، جو سربراہ انتظامیہ بھی ہوگا، کو اختیارات دیے ہیں کہ وہ خود اپنے گورنر مقرر کرے گا۔ اسلام سربراہ کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اہل لوگوں کو ہی ان عہدوں پر متمکن کرے۔ امام ابن تیمیہؒ نے قرآن مجید کی "آیتِ امراء" یعنی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۸[۱۳] پر مبنی ایک کتاب لکھی ہے تاکہ اس آیت مبارکہ کی صحیح غرض و غایت کو لوگوں پر واضح کر سکیں۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۸ والیانِ حکومت سے متعلق ہے جو اس بات پر مامور ہیں کہ لوگوں کو ان کی امانتیں ان کے حوالے کریں اور جب لوگوں کے درمیان فیصلے کریں تو عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

اسلامی مملکت میں بالخصوص اور ایک عام مملکت میں بالعموم حکومت کے کارندوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ جدید ریاست میں اس اہمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ حکومت کی کامیابی کا سارا دارومدار اور کسی نظام کی کامیابی کی ضمانت اسی میں ہوتی ہے کہ اس نظام کو چلانے والے لوگ کس قسم کے ہیں۔ اسلامی مملکت میں یہ اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کہ یہ ایک فلاحی اور نظریاتی مملکت ہوتی ہے چنانچہ اس اہمیت کے پیش نظر اسلام نے بھی اس پہلو پر بہت زور دیا ہے کہ اہل حل وعقد ایسے ہونے چاہئیں جو اسلامی مملکت کے مقاصدِ تاسیس سے مطابقت رکھتے ہوں۔

سربراہ مملکت اگر نااہل لوگوں کو مختلف مناصب پر فائز کرتا ہے تو قرآن مجید اسے "خیانت" قرار دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

یاایھا الذین امنوا لاتخونوا اللّٰہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون[۱۴]

(اے مومنو! اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت نہ کرو نہ ہی اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم خیانت کے وبال سے واقف ہی ہو)۔

اس آیت مبارکہ کی تشریح میں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

اگر امیر یا بادشاہ کسی زیادہ مستحق اور زیادہ لائق شخص کو نظرانداز کر کے کوئی عہدہ اس بنا پر کسی دوسرے شخص کو دے دے کہ وہ اس کا قرابت دار، دوست یا ہم مشرب، ہم مذہب، ہم وطن یا ہم جنس ہے تو اس شخص نے اللہ، اس کے رسولؐ اور مومنوں سے غداری کی۔ اسی طرح اگر اس نے رشوت لے کر زیادہ قابل اور مستحق شخص کو کسی عہدے سے محروم رکھا، یا امیر مملکت کے دل میں اس میں اس کے خلاف کینہ اور عداوت کے جذبات موجزن ہیں یا کسی اور وجہ سے قابل پر نا قابل کو ترجیح دیتا ہے تو امیر مملکت نے اللہ، اس کے رسولؐ اور مومنوں سے بے وفائی کی۔" آپ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص مذکورہ بالا آیت کا مصداق ہے[۱۵] اسی سلسلے میں انہوں نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

انما اموالکم واولادکم فتنۃ واللّٰہ عندہ اجر عظیم[۱۶]

(یاد رکھو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر موجود ہے)۔

اس سلسلے میں قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ سربراہ مملکت

اپنی طرف سے پوری کوشش کرے کہ مختلف عہدوں پر اہل لوگوں کو ہی متمکن کرے۔ لیکن اگر اسے موزوں اشخاص میسر نہ ہوں تو اپنی پوری کوشش کے بعد اس کے ذہن کے مطابق جو موزوں ترین میسر آئے ہیں انہیں ہی تعینات کر دیا جائے ۔ اس کے بعد وہ اپنے فرائض سے فارغ سمجھا جائے گا۔[۱۱۷]

حضرت عمرؓ کے عہد حکومت کے بارے میں مشرق و مغرب کے محققین یک زبان ہیں کہ آپ نے ایک انتظام حکومت جاری و ساری کیا جس کے نتائج آج کی دنیا کے لیے بھی بڑے مفید ہو سکتے ہیں۔ آپ کے اس حسن انتظام کا نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے حکومت کے انتظام کے لیے نہایت موزوں پرزے استعمال کیے ۔ آپ میں جوہر شناسی کی خصوصیت مسلم تھی اس کے ذریعے آپ نے تمام عرب میں موجود باصلاحیت لوگوں اور ان کی صلاحیتوں سے واقفیت حاصل کی اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے ان کو مناسب مناصب پر تعینات کیا جاتا تھا ۔ مثلاً امیر معاویہ ۔ عمرو بن العاص مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن سمیہ کو سیاسی امور کی انجام دہی پر لگایا گیا کیونکہ یہ حضرات سیاست اور نظم و نسق میں ماہر تھے ۔ جنگی خدمات کے لیے عیاض بن غنم ۔ سعد بن وقاص وغیرہ مناسب تھے اس لیے انہیں اس کام پر لگایا گیا ۔ زید ابن ثابت لکھنے پڑھنے کے ماہر تھے ۔ انہیں میر منشی لگا دیا ۔ غرض جس کو جس کام پر لگایا ۔ وہ اپنی مثال آپ تھا ۔ بقول مولانا شبلی نعمانی "آپ نے جس کو جس کام پر لگایا گویا وہ اسی کے لیے پیدا کیا گیا تھا"۔[۱۱۸]

اس طرح ہم یہ اصول مستنبط کر سکتے ہیں کہ مختلف عہدوں کے لیے منتخب ہونے والے لوگ بغیر کسی رو رعایت کے منتخب ہوں ۔ اس سے نظام حکومت مقبول ہوتا ہے ۔ لوگ سخت احکام بھی تسلیم کرتے ہیں اسی بات کو حضرت عمرؓ نے اپنے حوالے سے یوں بیان فرمایا ۔

"اگر مجھے یہ امید ہوتی کہ تم لوگوں کے لیے سب سے زیادہ کار آمد سب سے زیادہ قوی اور مہمات امور کے لیے سب سے زیادہ مناسب اور مضبوط ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا"[۱۱۹]

اور ایک موقع پر فرمایا :

"اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام کے لیے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے کی نسبت میرے نزدیک آسان تھا کہ میری گردن مار دی جائے"[۱۲۰]

اسلامی مملکت میں انتظامیہ کے اصول و ضوابط میں یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ باصلاحیت اور

باکردار لوگ ہی مختلف عہدوں پر فائز کیے جائیں حضورؐ عمال کی تقرری سے قبل ان کا امتحان لیا کرتے۔ آپ ان کے تقویٰ علم و دانش اور عقل و عمل کا خاص خیال رکھتے۔ صرف باصلاحیت لوگوں کو پروانۂ ولایت سے نوازا جاتا [۲۱]

عہد نبویؐ میں حضرت معاذ ابن جبلؓ کو یمن کا گورنر مقرر کیا گیا تو ان سے ان کے طرز عمل اور حکمت کے بارے میں حضورؐ نے خود سوالات فرمائے۔ کہ تم کس طرح لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرو گے انہوں نے کتاب اللہ، سنت رسولؐ اور اپنی رائے کو ان دونوں ماخذ کی روشنی میں استعمال کرتے ہوئے۔ معاملات سلجھانے کا اعلان فرمایا۔ حضورؐ نے ان کو شاباش دی [۲۲]

حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی یہ طرز عمل جاری رکھا۔ آپ کا طریقہ تھا کہ جب کبھی کو کسی منصب پر مامور فرماتے تو اسے جو حکم نامہ دیا جاتا اس میں اس کے تمام فرائض اور اختیارات کا ذکر کیا جاتا بعض انصار مہاجرین کی گواہی بھی ثبت کی جاتی۔ جہاں یہ شخص متعین کیا جاتا وہاں یہ حکم لوگوں کو پڑھ کر سنایا جاتا تاکہ لوگ بھی اپنے حقوق و فرائض کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا صوبیدار مقرر کیا تو آپ نے باشندگان بصرہ کو خط کے ذریعے اس تقرری کی اطلاع دی۔ اس میں جو کچھ لکھا تھا وہ اسلامی مملکت کی انتظامیہ کے خدوخال کو خوب واضح کرتا ہے۔ اس خط میں آپؓ نے لکھا۔

میں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو تم پر صوبہ دار مقرر کیا ہے اور انہیں ان امور پر پابند کر دیا ہے۔

۱۔ کمزور کی دادرسی۔

۲۔ تمہارے دشمنوں سے مقابلہ۔

۳۔ تمہاری تکالیف کا ازالہ۔

۴۔ اموال غنیمت کی نگرانی اور تقسیم۔

۵۔ تم سب لوگوں کی صحیح راہنمائی [۲۳]

ایک اور خط انہوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو دیا۔ اس میں لکھا تھا۔

۱۔ واضح رہے کہ عوام اپنے حکمرانوں سے دور رہتے ہیں۔ خدا کی پناہ اگر میں اور آپ ایسی کورانہ روش اور کینہ توزی پر گامزن رہیں کہ عوام ہم سے دور رہیں۔

۲۔ روزمرہ عدالت منعقد کیجئے اگرچہ یہ تھوڑی دیر کے لیے ہی ہو۔

۳ ۔ اگر بیک وقت دو امر ہوں ۔ ایک میں عاقبت اور دوسرے میں دنیا کا نفع ہو تو عاقبت کو ترجیح دیجئے ۔

۴ ۔ بدکردار لوگوں پر خوب نگاہ رکھیں ۔

مسلمان مریضوں کی عیادت میں کوتاہی نہ کریں ۔

ان کے جنازہ میں شرکت کریں ۔

عوام کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھیں اور ان کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لیں ۔ آپ ان سے کوئی ممتاز شخص نہیں ۔ آپ انہی میں سے ہیں البتہ آپ کی ذمہ داریاں ان سے کہیں زیادہ ہیں ۔ اے ابو موسیٰ! مجھے آپ اور آپ کے اہل بیت کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ آپ عوام کے مقابلے میں خوش لباسی، پر تکلف کھانوں اور اعلیٰ سواری کی طرف مائل ہیں اس سے بچتے رہیں کہ مویشی کی طرح ہری ہری گھاس سے پیٹ بھرتے رہنا خود کو فربہ بنانا ہے اور فربہی کا نتیجہ آخر میں برا ہوتا ہے ۔

حاکم کی کجروی کے اثر سے رعایا بھی اسی قسم کی ہو جاتی ہے بدبخت ہے وہ حاکم جسکی وجہ سے عوام بدبخت ہو جائیں [۲۳]

عمّالِ حکومت کے بارے میں، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ۔

میں تمہیں امت محمدیہ پر اس لیے عامل مقرر نہیں کرتا کہ تم ان کے بالوں اور کھالوں کے مالک بن جاؤ بلکہ میں انہیں تم پر اس لیے مقرر کرتا ہوں کہ تم نماز قائم کرو ۔ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور عدل کے ساتھ ان کے حقوق تقسیم کرو ۔"

یہ بات بغیر کسی خوش عقیدگی کے پورے اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ عہد حاضر کی جمہوریت ہو یا کسی اور ایسے نظام کی جسے دعویٰ ہو کہ وہ عوام کے حقوق کا پاسبان ہے، اسلام کے نظام کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ برسرعام اعلان فرمایا ۔

میں نے اپنے عاملوں کو تم پر اس لیے نہیں مقرر کیا کہ تم لوگوں کو مارو پیٹو اور تم ان کے مال چھینو بلکہ اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ تمہیں تمہارا دین اور تمہارے نبی کی سنت سکھائیں ۔ جس شخص کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کیا گیا ہو وہ میرے پاس شکایت لائے ۔ خدا کی قسم میں اس سے بدلہ لوں گا [۲۴]

خود حضور اکرمؐ نے اس کی مثال پیش کی کہ اپنے آپ کو بدلہ کے لیے پیش کیا۔

کڑی نگرانی

حضرت عمرؓ کے انتظام حکومت کے حوالے سے یہ بات بھی سنہری اصول کے طور پر سامنے آتی ہے کہ آپ گورنروں اور دیگر انتظامی افسروں کی زندگیوں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے اور اس کی خبر رکھتے کہ کوئی افسر زیادہ اثر و رسوخ حاصل نہ کر پائے۔ اس سے کئی ایک منفی اثرات پڑ سکتے تھے۔ آپ اہم عہدے داران کو تبدیل فرماتے رہتے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ ملکی افسروں میں سے جس کے بارے میں زیادہ زور حاصل کر جانے کا خیال ہوتا اسے تبدیل کر دیا جاتا یا علیحدہ کر دیتے۔ اس طرح کے لوگوں کو بعض اوقات دارالخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ سیاسی تدبر میں لاثانی تھے۔ انہیں عہدے تو دیے لیکن ان پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی[۲۵]۔

اسلام نے سربراہ مملکت سے برسر عام مواخذہ کا جو تصور دیا ہے، آج کی جمہوری دنیا میں اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی کہ اس طرح ایک عام آدمی اس بات سے آگاہ تھا کہ سربراہ کے اختیارات کس قدر ہیں اور اسے اس بات کا بھی اختیار ہے کہ وہ سربراہ مملکت سے مواخذہ کر سکتا ہے۔

سادگی

سادگی اور بے تکلف انداز زندگی سے اجتناب اسلامی مملکت کی انتظامیہ کا بنیادی مقصد ہوگا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سیاسی نظام رائج فرمایا اور اس پر عمل کر کے دکھایا اس کی بنیادی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں:

"آپؐ نے شہنشاہیت کے نظریہ کو عقیدہ اور عمل کو دنیا سے خارج کر کے حکومت کو "ریاست عامہ" قرار دیا اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا جس کی وجہ سے تاج و تخت، قصور و محلات حاجب و دربان، حشم و خدم، بڑی تنخواہوں والے اور رشوت خور عمال، سب ختم ہو گئے[۲۶]"

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ بھی اپنی جگہ سادہ زندگی پر عمل کرنے والے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے بارے میں مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں:

"آپ نے نظام حکومت کی عمومیت اور سادگی کو ترقی دی۔ بیت المال کے معاملے

میں بڑے انصاف پسند اور اپنے اخراجات کے معاملے میں بہت محتاط اور صاف رویہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانے میں عوام کی معاشی ضرورتوں کو اعلیٰ معیار پر پورا کرتے تھے اور خود احتیاط کا یہ عالم تھا کہ معمولی کھانا کھاتے تھے۔ بیت المال سے ایک پائی نہیں لی اور ہزاروں روپے کی رقمیں مفاد عامہ کے کاموں پر لگا دیں۔ ان کا لباس بھی بڑا سادہ ہوتا تھا[27]۔

قانون کی بالادستی

قانون کی حکمرانی اسلامی مملکت کا بنیادی اصول ہے۔ حضرت عمرؓ اسلامی مملکت کی عملی صورت تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابیؓ ابن کعبؓ کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف ہو گیا۔ زید ابن ثابتؓ کو ثالث مقرر کیا گیا حضرت زیدؓ، حضرت عمرؓ کی تشریف آوری پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو قسم دینی پڑتی تھی۔ ثالث نے قسم بھی نہ لی بلکہ حضرت عمرؓ نے خود ہی قسم دی۔ اس مجلس کے خاتمے پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"زید، قاضی ہونے کے قابل نہیں ہو سکتے جب تک کہ عمرؓ اور ایک عام مسلمان ان کے نزدیک برابر نہ ہو"۔ حضرت علیؓ کا جھگڑا ایک یہودی کے ساتھ ہو گیا۔ حضرت علیؓ ایک عام آدمی کی طرح عدالت میں حاضر ہوئے۔ جبلہ ابن الایہم غسانی رئیس جو مسلمان ہو گیا تھا۔ سے بھی حضرت عمرؓ نے بدلہ دلوایا اور یہ نہیں دیکھا کہ اس کا مقام و مرتبہ کس قدر بلند ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ نے ایک قبطی کو کوڑا مارا۔ حضرت عمرؓ نے اسے بدلہ دلایا۔ اور ان کے والد محترم کے بارے میں بھی فرمایا اسے بھی مار[28]۔ خدا کی قسم اس کا بیٹا تجھے ہرگز نہ مارتا اگر اسے باپ کا گھمنڈ نہ ہوتا"۔ حضور اکرمؐ نے خود کو بدلے کے لیے پیش کر دیا تھا[29]۔

قانون کی بالادستی کی اہمیت تھی کہ قاضیوں کے تقرر کے وقت ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ فرماتے۔ اسلام نے بلاشبہ انتظامیہ کے لیے ایسے اصول و ضوابط مہیا کیے ہیں جن کی موجودگی اور عملداری میں اسلامی مملکت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ مملکت فلاحی مملکت بھی بنتی ہے اور اس کے عوام خوشحال بھی۔

حضرت عمرؓ نے اسلامی تعلیمات کو جس طرح نافذ کیا اس سے ان تعلیمات کے حقیقی نتائج مرتب ہوئے۔ آپؓ اس بات سے آگاہ تھے کہ برسر اقتدار لوگوں کے رہن سہن کے طور طریقوں اور معیار زندگی اور طرز معاشرت کا ردعمل عوام کے ذہنوں میں کیا نقوش مرتب کرتا ہے اگر حکمران اپنے آپ

کو عوام سے جدا اور ممتاز سمجھنے لگیں اس سے حکمران اور عوام ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ عوام کے ذہن حکمرانوں کے لیے حقارت اور نفرت کے جذبات سے بھر جاتے ہیں۔ عوام کے ذہن کچھ عرصے کے لیے مرعوب تو ہو جاتے ہیں لیکن یہ مرعوبیت اندر ہی اندر عوام اور حکمرانوں کے درمیان خلیج کی شکل اختیار کر لیتی ہے جونہی عوام کو موقع ملتا ہے وہ حکومت اور حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور حکومت کی تبدیلیوں کے لیے سینکڑوں لوگوں کو اپنا خون بہانا پڑتا ہے۔ اصول سیاسیات کی ابجد کو جاننے والا ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ عوام اور حکمران کا باہمی بُعد، نفرت یا عدم تعلق دونوں کے لیے ہی مفید نہیں ہو سکتا۔ اسی سے داخلی اتحاد مضمحل ہوتا ہے اور اسی سے مملکتیں کمزور ہو کر دشمنوں کی آنکھوں سے گر جاتی ہیں۔

یہ اسلام کے سیاسی نظام کا ایک زریں اصول ہے اور وہ اس بنیادی حقیقت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس پر عمل درآمد کے لیے مؤثر ذرائع اختیار کرتا ہے۔ ان تعلیمات کی ایک جھلک حضرت عمرؓ کے ان فرامین میں ہمیں دکھائی دیتی ہے جو وہ کسی شخص کو کسی سیاسی عہدہ پر متمکن کرتے وقت دیا کرتے تھے۔ مثلاً

اپنے مکانوں کے آگے ڈیوڑھی نہ بنائیں۔ باریک اور اعلیٰ لباس نہ پہنو۔ عالی شان مکانات تعمیر نہ کرو۔ دروازوں پر دربان کھڑے نہ کرو[۱۳۰]

ایک گورنر کو لکھا:

اپنے اور اپنے عوام کے درمیان کوئی حجاب نہ رکھو۔ کیونکہ اس طرح عوام تمہاری ذاتی زندگیوں کے بارے میں بدگمانیاں کرنے لگیں گے اور تمہارے نیک افعال بھی بدگمانی کی وجہ سے انہیں برے نظر آنے لگیں گے[۱۳۱]

عوام اور حکمران کے معیار زندگی میں مساوات اس وجہ سے بھی پیدا کی گئی کہ اس وقت کے اہل عرب کا مخصوص مزاج بڑی خود داری پر مبنی تھا۔ وہ کسی کو اس کی اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ کوئی شخص بڑائی کی بنیاد پر اس کے معمولات زندگی میں مداخلت کرے۔ وہ اپنے سے کسی بڑے کے جاہ و جلال کے آگے جھکنے والے نہ تھے۔ اسلام کی اس پالیسی نے ان لوگوں کے ذہنوں کو انقلابی بنیادوں پر بدل کے رکھ دیا۔ اسی سے وحدت پیدا ہوئی۔ پھر حکمران اور عوام کے معیار زندگی کی یہ مساوات محض کوئی سیاسی

نعرہ یا انتخابی حربہ نہیں ہے بلکہ ایک دینی فریضہ بھی ہے۔ یہ تو تخیل محض ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کر کے دکھایا گیا۔

عصر حاضر میں اس طرح کے نعرے لگائے تو جاتے ہیں لیکن یہ مساوات محض سراب ہی ہوتا ہے، اس کی انتہا گزشتہ ہفتہ چھپنے والی یہ خبر ہے کہ وزیر اعظم کی زندگی کا معیار، برطانیہ کی وزیر اعظم سے بھی زیادہ بلند ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کے بارے میں آپ کو پتہ چلا کہ آپ نے اپنے بیٹھنے کے لیے ایک چبوترہ بنا رکھا ہے۔ آپؓ نے انہیں لکھا کہ تم نے اپنے لیے یہ پسند کیوں کیا کہ تم اونچی جگہ پر بیٹھو اور عوام نیچی جگہ پر۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے محل کو نذر آتش کر دیا کہ اس میں ڈیوڑھی بنائی گئی تھی[۳۲]۔

ایک دفعہ شام کے سفر کے دوران آپؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کا بہت بڑا جلوس دیکھا جس میں وہ سفر کر رہے تھے۔ آپؓ نے انہیں متنبہ کیا اور کہا کہ مجھے شکایت ملی ہے کہ تم گھر میں گھسے رہتے ہو۔ ان سب باتوں کا انہیں جواب دینا پڑا [۳۲ الف]۔

انتظامیہ کے افراد پر اتنی کڑی شرائط و قیود کے حوالے سے کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آنی چاہیے کہ مملکت اسلامیہ شاید بڑی مفلوک الحال تھیں اس لیے اس طرح کی ہدایت دی گئی تھیں۔ ایسا ہرگز نہ تھا اور نہ ہی اسلام نے اس قسم کی تعلیمات کسی ہنگامی یا معاشی بدحالی کے دور کے لیے دی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مملکت کے عین اس وقت اس قدر وسائل تھے کہ لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کوئی شخص نہ ملتا تھا[۳۳] بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ وہ مقاصد حاصل کیے جائیں جن کا ذکر ہم نے گذشتہ سطور میں کیا ہے۔ بلکہ اسلامی مملکت میں دولت کی ریل پیل کی موجودگی میں یہ احکام دیے گئے کہ حکمران اور عہدے دار کہیں دولت میں منہمک نہ ہو جائیں۔ آسائش کی زندگی میں پڑ کر کہیں عوام کی خدمت اور عوامی مسائل سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔ اسلام کا مطلوب یہ ہے کہ انتظامیہ کے ذمہ دار لوگ اپنا معیار زندگی ایک عام آدمی کے معیار زندگی کے برابر رکھیں تاکہ انہیں احساس ہو کہ ایک عام آدمی کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلامی مملکت میں انتظامیہ کے ذمہ دار افراد اور عہدے کانٹوں کی سیج ہوتے ہیں، ان کے آرام ختم ہو جاتے ہیں اور عوام کی خدمت اور سربراہ مملکت کی جانب سے مواخذے کا خوف ہر وقت لاحق ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے خطاب کے دوران فرمایا کہ اگر کسی شخص کے ساتھ زیادتی ہو تو وہ میرے پاس شکایت لائے۔ اس پر حضرت عمرو ابن العاصؓ نے کہا "اگر کوئی شخص مسلمانوں کا والی ہو اور تادیب کی غرض سے کسی کو مارے تو کیا آپ اس کا بھی بدلہ لیں گے؟ آپؓ فرمایا، ہاں، خدا کی قسم میں اس سے بدلہ لوں گا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرو ابن العاصؓ کی کسی نے حضرت عمرؓ کے سامنے شکایت کی کہ انہوں نے مجھے سو دُرّے بلا وجہ لگوائے ہیں حضرت عمرؓ نے ان سے بدلہ لینے کا حکم دیا۔[۳۴]

عہد حاضر میں مسلم ممالک میں موجودہ سیاسی نظاموں میں ایک بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ سامراجی دور کی یادگار کے طور پر سربراہ مملکت اور اس کے ماتحت دیگر عہدے داران کی ذہنیت میں ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود تبدیلی نہیں آئی۔ غیر ملکی حکمرانوں نے اپنی نوآبادیوں کے عوام کو دبانے کیلیے "حکمران اور محکوم" کے ذہنی پس منظر کے تحت پالیسی اختیار کی۔ سامراجیت کے خاتمے کے بعد بھی یہ ذہنیت تبدیل نہیں ہو پائی۔ اسوقت بھی مسلم ممالک میں حکمران اور محکوم کی ذہنیت کے تحت ہی حکومت جاری ہے۔ اس ذہنیت نے بہت سے منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ حکمرانوں اور عوام کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی ہے اور بالآخر سیاسی بےچینی اور بعض اوقات خونی ردعمل کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

اسلام کے نظام سیاست میں اس سلسلے میں بنیادی طور پر اس ذہنیت کی مذمت کی گئی۔ اسلام حکمرانوں کو آقا قرار نہیں دیتا اور نہ ہی عوام محکوم ہوتے ہیں بلکہ یہاں حکومت کا معنیٰ و مقصود خدمت ہوتا ہے۔ اس ذہنیت کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس خطبے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے جو انہوں نے خلیفہ بنتے ہی ارشاد فرمایا تھا۔ آپؓ نے فرمایا۔

لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں۔ حالانکہ تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں فلاح و بہبود کے کام کروں تو میری مدد کرنا۔ ورنہ اصلاح کر دینا۔ صدق وسچائی اپنا نا دیانتدارانہ فرض سمجھوں گا۔ کذب و دروغ منصبی خیانت تصور کروں گا۔ تم میں سے کمزور میرے نزدیک طاقتور ہو گا۔ ظالم سے حق دلا کر رہوں گا۔ تم میں سے طاقتور میرے نزدیک کمزور ہو گا۔ انشاء اللہ مظلوم کا حق اسکو دلاؤں گا۔[۳۵]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے احکم الحاکمین نے کوئی حکمرانی اور ذمہ داری عطا فرمائی ہو اور اس حالت میں دنیا سے جائے کہ وہ اپنی رعایا سے خیانت کا ارتکاب کرنے والا ہو اور نہ اس نے بے لوث لوگوں سے خیر خواہی کی ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر جنت کی خوشبو حرام کر دے گا[۳۶]

کنز العمال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے۔

"یا اباذر انك ضعیف وانها امانة وانها یوم القیمة خزی وندامة الا من اخذ بحقها وادی الذی علیه فیها[۳۷]"

ترجمہ: (اے ابوذرؓ! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا منصب ایک امانت ہے اور قیامت کے روز وہ ندامت و رسوائی کا سبب بنے گا سوائے اس شخص کے جو اس کا پورا پورا لحاظ کرے اور جو ذمہ داری اس پر عائد کی جاتی ہے اسے پورا پورا ادا کرے)۔

حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی موجود ہے۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے۔

"لوهلك حمل من ولد الضان ضیاعاً بشاطئ الفرات خشیت ان یسألنی الله[۳۸]"

(دریائے فرات کے کنارے اگر بکری کا ایک بچہ بھی ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں بھی مجھ سے باز پرس کریں گے۔

انتظامیہ کی صحتمند اصولوں پر تشکیل و ترتیب کے حوالے سے اسلام کے سیاسی نظام میں موجود زریں اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ انتظامیہ کو مالی معاملات اور ملکی خزانے کے بارے میں نہایت ہی محتاط انداز اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں اصول وضوابط محض نصیحتوں تک محدود نہیں بلکہ ان سے آگے بڑھ کر سربراہ مملکت کے فرائض میں یہ بات شامل کی گئی ہے کہ وہ خود بھی اس بات کا اہتمام کرے اور وہ اپنے کارندوں کے بارے میں اس بات کو یقینی بنائے کہ ملکی خزانے کی ایک ایک پائی محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ اسلام ملکی خزانے کو صرف زبانی کلامی، "ملکی اور قومی امانت" قرار نہیں دیتا بلکہ اسے امانت بنانے کے لیے حقیقی اقدام بھی کرتا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد کے نظام کو دیکھنا ہو تو "حضرت عمرؓ کے سیاسی خطوط"

کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کس طرح حضرت عمرو بن العاص رضؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ سے پائی پائی کا حساب لیا اور کس طرح ایسا نظام وضع کیا کہ کسی کو اس کی جرأت بھی نہ تھی کہ وہ کسی بھی طرح کوئی گڑبڑ کر سکتا۔

آپؓ نے ایسا نظام وضع کیا تھا کہ صوبے کا گورنر اور ناظم مالیات دونوں ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور اپنے اپنے مقام پر ایک دوسرے کے اثر سے آزاد تھے۔ اس نظام کی موجودگی میں جبکہ دونوں عہدیدار اپنے اپنے شعبے میں آزاد ہوں اور با اختیار بھی ہوں، کسی گڑبڑ کا امکان باقی نہ رہا۔ گورنر کا مالیات سے کوئی تعلق نہ تھا اور ناظم مالیات کا انتظامیہ سے تعلق نہ تھا۔ دونوں افسر ایک دوسرے سے خائف ہی رہتے تھے۔ جب وقت عمال مقرر ہوتے۔ ان کی جائیداد کی تفصیلات کا جائزہ لیا جاتا۔ بعد میں اگر اضافہ ہو جاتا تو اس کی دیانت مشکوک ہو جاتی۔ زائد سامان ضبط بھی کر لیا جاتا۔ پھر فرماتے "ہم تمہیں گورنر بنا کر بھیجتے ہیں تاجر بنا کر نہیں"[۳۹] ان کی روشنی میں اسلامی مملکت حقیقی عوامی مسائل کی روشنی میں تشکیل پاتی ہے۔ یہ انتظامیہ یقیناً عصر حاضر کے مسائل کا سامنا کر سکتی ہے۔ آج کے دور میں وہی انتظامیہ کامیابی سے ہمکنار ہو کر ایک مضبوط اور ترقی پسند مملکت کا خواب شرمندۂ تعبیر کر سکتی ہے جس میں عوام کے معاشی مسائل کا قابل حل موجود ہو اور اس مسئلے کو ترجیحی بنیادوں پر حل کیا گیا ہو۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ احادیث نبویہ میں اس پہلو پر بھی انتظامیہ کو خصوصی طور پر متنبہ کر دیا ہے کہ اس کے اختیارات یہاں تک متجاوز نہ ہو جائیں کہ انتظامیہ ملکی خزانے میں عمل دخل حاصل کر کے اسے اپنی مرضی سے خرچ کرنے لگے۔

جب سے ریاست معرض موجود میں آئی ہے۔ یہ مسئلہ اسی روز سے چلا آرہا ہے کہ سربراہ مملکت ملکی خزانے کو اپنی ذاتی تصرف کی چیز سمجھتے ہوئے اسے اپنی مرضی سے خرچ کرتے چلے آئیں ہیں۔ مملکتوں کی تباہی کے اسباب میں یہ سبب بھی بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے کہ سربراہوں یا برسر اقتدار طبقے نے خزانے کو بے دریغ اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا خزانہ ان کے اپنے ذاتی مصارف بلکہ عیش پرستیوں کی بھینٹ چڑھتا رہا۔ بالآخر لوگوں پر بھاری ٹیکس عائد کیے گئے خزانہ خالی ہو تو رعایا کی مالی اعانت بند ہوئی۔ عوام اور حکمرانوں میں خلیج حائل ہو گئی مملکت کیسی تباہ ہوئی اور نظام سیاست

بھی برباد ہوا ۔ حکمران خاندان بھی رخصت ہوا اور گشت وخون کا بازار گرم ہوا ۔

اسلام ایک حقیقی اور فطری نظام پیش کرتا ہے کہ انتظامی سربراہ اور دیگر عہدے داروں کی دستبرد سے خزانے کو بچا کر رکھا جائے ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

خدا کی قسم میں از خود نہ کسی کو کچھ دیتا ہوں اور نہ کسی سے کچھ روکتا ہوں میں محض تقسیم کرنے والا ہوں ۔ وہیں خرچ کر دوں گا جہاں مجھے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ۔

قرآن مجید میں اس سلسلے میں فرمان الٰہی ہے ۔

ان اللہ یأمرکم ان تود والامٰنت الی اھلھا ۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ انتظامیہ کی تشکیل وقیام کا بنیادی مقصد خلق خدا کے دین کی اصلاح ہے پس لوگوں کا دین برباد ہو تو اس کا نقصان ہلاکت آفریں ہوگا ۔ اور انجام کے اعتبار سے وہ دنیوی نعمتیں ان کو کچھ فائدہ نہ دے سکیں گی جو انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہیں ۔ وہ دنیوی امور جن کے بغیر لوگوں کا دین قائم نہیں رہ سکتا دو طرح کے ہیں ا۔ مستحق لوگوں میں مال تقسیم کرنا اور اعتدال سے تجاوز کرنے والوں کو سزا دینا ۔

حضرت عمرؓ صوبوں کی رعایا کو لکھ بھیجا کرتے تھے کہ میں نے اپنے عمال کو تمہاری طرف اس مقصد سے ساتھ بھیجا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور نبی کریمؐ کی سنت کی تعلیم دیں اور تم لوگوں میں خراج اور مال غنیمت تقسیم کریں ۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ جب کسی وجہ سے راعی اور رعایا میں تغیر آجائے تو نظام حکومت بگڑ جاتا ہے ۔ ابن تیمیہ نے انتظامیہ کے فرائض میں یہ بات احادیث نبویہ کی روشنی میں شامل کی ہے کہ مالی امانتیں حق داروں کو ادا کی جائیں ، غصب شدہ اموال حق داروں کو دلائے جائیں عاریتاً لی گئی چیزیں واپس کروائی جائیں ۔

احادیث کی روشنی امام موصوف لکھتے ہیں کہ

ناظم مالیات ، اپنے شعبے کا ذمہ دار ہوگا اور وہ ایک طرف حقداروں کو ان کی امانتیں دلائے گا تو ساتھ وہ حکمران کی دستبرد سے بھی خزانے کو بچائے گا اور اسے صرف اسی قدر دے گا جس کا وہ مستحق (آئین کے مطابق مراعات کی رو سے) ٹھہرایا گیا ہے ۔

امام ابن تیمیہ نے احادیث کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ ریاست اور انتظامیہ کی بنیادی ذمہ داریوں میں ایک ان کے مالی امور کی اصلاح ہے۔

عصر حاضر کے حوالے سے دیکھا جائے تو امام ابن تیمیہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں انتظامیہ کے فرائض کو جس انداز سے پیش کیا ہے۔ اس حدیث کو ابن تیمیہ یوں واضح کرتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر آپ اپنے اوپر اللہ کا مال خرچ کر کے اپنی روزی کو وسیع کر لیتے۔ آپؓ نے فرمایا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میری اور ان لوگوں کی مثال ایک جماعت کی سی ہے جو سفر میں تھی۔ انہوں نے تھوڑا تھوڑا مال اس غرض سے ایک شخص کے پاس جمع کروایا۔ کہ وہ حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا خرچ کرتا رہے۔ کیا اس شخص کے لیے جائز ہے کہ ان کا مال خرچ کرتے وقت ان پر اپنے آپ کو ترجیح دے؟

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ والیان ملک اور افسران مال کے لیے یہ جائز نہیں کہ اموال کو اپنی خواہشات کے تحت اس طرح خرچ کریں جس طرح کسی چیز کا مالک اپنی ملکیت کی چیز خرچ کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ امین اور نائب ہیں مالک نہیں ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

> حاکم وقت کا فرض ہے کہ وہ حلال ذرائع سے مال حاصل کرے اور اس جگہ خرچ کرے جہاں خرچ کرنے کا حق ہے۔ حق دار کو کبھی اس کے حق سے محروم نہ رہنے دے۔

آپ لکھتے ہیں کہ:

> حضرت علیؓ کو اس کی خبر ملی کہ ان کے کسی عامل نے ظلم کیا ہے تو آپؓ فرمانے لگے اے اللہ! میں نے انہیں ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ تیری خلقت پر ظلم کریں۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات حکام اور رعیت دونوں ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حکام وہ وصول کرتے ہیں جو ان کے لیے لینا حلال نہیں اور عوام وہ رقم دینے سے انکار کرتی ہے جس کا ادا کرنا ان پر لازم ہے۔ اس طرح بعض حکام خزانے کو بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنا ان کے لیے حرام ہے۔

امام ابن تیمیہ نے ایک جدید ریاست اور جدید انتظامیہ کا نقشہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

مال کی ادائیگی کے حوالے سے جہاں کہیں کسی کو سزا دینا ضروری ہوتا ہے وہاں سزا دینے سے گریز کرتے ہیں حالانکہ ایسا ضروری تھا۔ اسی طرح بعض اوقات لوگوں کو سزا دے دیتے ہیں حالانکہ اسکی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

اس کی بنیاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ ہے کہ:

"اگر کوئی شخص طاقت رکھنے کے باوجود کسی کا حق ادا نہ کرے تو اس شخص کو بے عزت کیا جائے۔"

امام صاحب فرماتے ہیں:

مالدار آدمی کا کسی کو حق ادا نہ کرنا ظلم ہے اور ظالم سزا کا مستحق ہے اگر اس کی سزا شریعت میں مخصوص نہ ہو تو حاکم وقت اس مسئلے پر غور و فکر کرے۔ اگر وہ حق ادا کرنے سے ٹال مٹول کرے تو اسے قید کر دیا جائے۔ پھر بھی باز نہ آئے تو اسے سزا دی جائے۔ مارا پیٹا جائے یہاں تک کہ حق دار کا حق ادا ہو جائے۔

امام صاحب کا یہ بیان سنن اربعہ اور صحیحین کی روشنی میں ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے پر تمام مکاتب کا اتفاق ہے۔

ملکی خزانے کے حوالے سے انتظامیہ کے فرائض کے بارے میں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

محکمہ مال کے افسران اگر حق کے بغیر مسلمانوں کا مال حاصل کریں تو عادل حکمران کا فرض ہے کہ ان سے یہ مال برآمد کرے۔ جیسے ہدیے اور نذرانے جو اپنے عمل اور تسلط سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے وصول کئے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں احادیث نبویہ بھی موجود ہیں۔

ابو سعید خدری فرماتے ہیں:

عمال کا ہدیہ خیانت ہے۔

ابن عباس سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔

بخاری اور مسلم شریف میں ابو حمید ساعدی سے روایت ہے حضورؐ نے قبیلہ ازد کے نزدیک ایک شخص کو زکوٰۃ اکٹھی کرنے کے لیے بھیجا واپسی پر اس نے زکوٰۃ خزانہ میں جمع کرواتے ہوئے کہا کہ یہ زکوٰۃ

ہے اور یہ میرے تحائف ہیں جو لوگوں نے مجھے دیے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات سنکر بہت زیادہ غصہ میں آ گئے اور فرمایا کہ:

تو اگر اپنی ماں کے پاس بیٹھا رہتا تو دیکھتے کہ پھر تمہیں کون ہدیہ بھیجتا۔ اس کے بعد آپؐ نے نہایت غصے میں خطبہ ارشاد فرمایا۔

ان تمام تفصیلات سے اسلامی ریاست کی انتظامیہ کے مالیاتی فرائض اور خزانہ میں ان کے عمل دخل پر بخوبی روشنی پڑتی ہے؟

ہم اگر اپنے عہد کے مسائل کو پیش نظر رکھیں تو اسلامی تعلیمات ہمارے لیے یقیناً پیغام مسیحا کا مقام رکھتی ہیں۔ ہر ملک کو انہی حالات سے واسطہ ہے کہ انتظامیہ کی ملکی خزانے پر گرفت بہت گہری اور مضبوط ہے۔ سرکاری افسران کے اخراجات اور ان کے بے جا تکلفات اور مراعات پر ملکی خزانے کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ سربراہوں کی طرف سے اپنی پسند کے لوگوں کو انعام و اکرام کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دولت کی غیر عادلانہ بلکہ غیر حقیقت پسندانہ تقسیم کا سلسلہ جاری ہے۔ نہ کبھی پارلیمنٹ پوچھتی ہے اور نہ سربراہوں کا ضمیر ملامت کرتا ہے۔

ہم نے سطور بالا میں انتظامیہ کے جن اختیارات اور فرائض کا ذکر کیا ہے ان کا خلاصہ یوں سامنے آتا ہے کہ:

۱۔ انتظامیہ کے دو بنیادی فرائض ہیں۔ اصلاح و تحفظ دین اور لوگوں کی معاشی کفالت اور معاشی تحفظات کی ضمانت مہیا کرنا۔

۲۔ مالیات کے افسر خزانے کے غلط استعمال کے ذمہ دار ہوں گے۔

۳۔ سربراہ مملکت براہ راست خزانہ میں مداخلت نہیں کر پائے گا وہ لوگوں کی امانتوں کا محافظ ہوگا۔

۴۔ سربراہ اس بات کا ذمہ دار ہوگا کہ وہ محاصل کی وصولی کا قابل اعتماد انتظام کرے۔

جو لوگ ارتکاز دولت اور انجماد دولت کا سبب بنے ہوئے ہوں انہیں قانون کی گرفت میں لے کر ان سے دولت حقداروں تک پہنچائے۔ اس سلسلے میں سزا بھی دی جائے گی۔ دولت کی تقسیم عادلانہ ہوگی اور اس کی ضمانت سربراہ مملکت مہیا کرے گا۔ ان ہدایات سے بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ

اسلامی مملکت کی انتظامیہ کو شریعت اسلامیہ میں کس قدر اہم فرائض سونپے گئے ہیں۔ ارتکاز دولت نے گوناں گوں معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہو رہا ہے یہی وہ فرائض ہیں جن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اسلام کے علاوہ کسی سوشلزم یا کمیونزم کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

مملکت کے دیگر شعبوں کے ساتھ انتظامیہ کے تعلق کا مسئلہ بڑا اہمیت کا حامل ہے۔ عہد حاضر میں ہمیں جن سیاسی مسائل کا سامنا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ انتظامیہ کے اندر مطلق العنانی کا رجحان پایا جاتا ہے وہ ہمہ وقت اسی کوشش میں ہوتی ہے کہ اپنے اختیارات میں توسیع کرے اور اپنے اوپر کسی بھی قدغن کو دور کیا جائے اگرچہ انتظامیہ (عہد حاضر میں) مقننہ میں سے ہی جنم لیتی ہے اور آئین میں تحریری طور پر یہی بات لکھی ہوئی ہے کہ انتظامیہ، مقننہ کے سامنے جوابدہ ہوگی۔ وزیر اعظم اور اسکی کابینہ کے تمام ارکان، پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ وزراء پابند ہوتے ہیں کہ وہ ارکان اسمبلی کے سوالات کا جواب تسلی بخش اور درست طور پر دیں۔ لیکن عملاً انتظامیہ، مقننہ پر حاوی ہو جاتی ہے اور برطانیہ جیسے جمہوری ملک میں "کابینہ کی آمریت" کا مسئلہ سب اہل علم کے سامنے واضح ہے۔ آئین میں مقننہ کی بالادستی کا ذکر ہونے کے باوجود، ارکان پارلیمنٹ، پارٹی ڈسپلن کی وجہ سے وہی رائے اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جو کابینہ نے بلکہ درحقیقت وزیر اعظم نے اختیار کرنی ہوتی ہے۔ فلور کراسنگ کی شق موجود ہے۔ کوئی شخص اگر اپنی پارٹی کے خلاف ووٹ دیتا ہے تو اس کی رکنیت ختم ہو سکتی ہے۔ اس طرح کے کئی خوف ممبران پارلیمنٹ پر طاری ہوتے ہیں۔ اس لیے کوئی ممبر یہ اقدام نہیں کرتا کہ وہ پارٹی کے خلاف ووٹ دے۔

اسلام کے نظام سیاست میں اس قسم کے مسائل کے حل کے لیے مناسب اصول موجود ہیں۔ اسکی ایک صورت یہ ہے کہ خلافت راشدہ میں ہمیں انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ سے بالکل الگ اور جدا نظر آتی ہے۔ اور اہل حل و عقد یعنی ارکان شوریٰ کے مشورے سے انتظامی معاملات چلائے جاتے تھے۔ قانونی مسائل کا حل بھی تلاش کیا جاتا تھا لیکن نظم و نسق کے لیے الگ انتظام موجود تھا۔ ان لوگوں کا نہ تو عدلیہ کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا تھا اور نہ شوریٰ کے ساتھ قاضی کے عہدہ پر متمکن شخص انتظامیہ میں کسی ذمہ داری کا حامل ہوتا تھا۔ ملک کے اہم معاملات میں "اہل الحل والعقد" سے مشورہ کیا جاتا تھا لیکن ان پر عمل درآمد

کی ذمہ داریوں سے وہ بالکل فارغ ہوتے تھے۔ یہ کام انتظامیہ کا تھا اس زمانے میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کوئی شخص بیک وقت کسی علاقے کا عامل بھی ہو اور قاضی بھی یا کوئی گورنر یا خود سربراہ مملکت کسی قاضی کے عدالتی فیصلوں میں دخل اندازی کا مجاز ہو۔ کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی عدالت کی جواب دہی سے بری الذمہ اور مستثنیٰ نہ تھا۔

قاضیوں کا تقرر اگرچہ سربراہِ مملکت کرتا تھا مگر وہ اسے معزول نہ کر سکتا تھا وہ عدالت کے فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ اسے بھی قاضیوں کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا تھا۔

حضرت خلفائے راشدین کا طریق کار یہی تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو دیکھا جاتا کہ کتاب اللہ اور سنت میں کوئی حکم موجود ہے یا نہیں؟ اگر ان دونوں جگہوں پر کوئی حکم موجود نہ ہو تو امت کے سرکردہ افراد کو جمع کیا جاتا اسلام میں سربراہِ مملکت کی حیثیت کے بارے میں حضرت عمرؓ کا مندرجہ ذیل بیان بڑا اہم ہے۔

مشاورت

ایک مجلس مشاورت سے خطاب کرتے ہوئے آپؓ نے فرمایا:

میں نے آپ لوگوں کو جس غرض کے لیے تکلیف دی ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مجھ پر آپ کے معاملات کی امانت کا جو بوجھ ڈالا گیا ہے آپ اس کے اٹھانے میں میرے ساتھ شریک ہوں۔ میں آپ ہی میں سے ہی ایک فرد ہوں اور آپ ہی وہ لوگ ہیں جو حق کا اقرار کرنے والے ہیں۔ آپ میں سے جس کا جی چاہے مجھ سے اختلاف کرے اور جس کا جی چاہے میرے ساتھ اتفاق کرے میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش کی پیروی کریں۔

حضرت عمرؓ مشورے کی اہمیت کو اس حد تک تسلیم کرتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے "مشورے کے بغیر میری خلافت جائز ہی نہیں"۔

حضرت عمرؓ کے نظام حکومت میں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ فوج کی تنخواہ۔ دفتر کی ترتیب، عمال کے تقرر وغیرہ کے اہم امور، مشورے کے ساتھ ہی طے کئے جاتے تھے اور اسی کے مطابق عمل کیا جاتا تھا۔

حوالہ جات

۱ ۔ مودودی، مولانا، اسلامی ریاست، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۔ ۱۳۰

۲ ۔ آل عمران: ۱۰۹ کنتم خیر امۃ اخرجت للنّاس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر ۔

۳ ۔ الحج: ۴۱ ۔ الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ۔

۴ ۔ الحدید: ۲۵ ۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید ومنافع للناس ۔

۵ ۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، لاہور، ۱۹۸۳ء، حصہ دوم، صفحہ ۶۰۱

۶ ۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کی روشنی میں ۔

i ۔ یوسف: ۴۰ ۔ ii ۔ الناس: ۱-۳ iii ۔ آل عمران: ۲۶ ۔ iv ۔ بنی اسرائیل: ۱۱۱

v ۔ الاعراف: ۳، ۵۴ ۔ vi ۔ المائدہ: ۴۴ ۔

۷ ۔ مودودی، مولانا، اسلامی ریاست، صفحہ ۱۲۹

۸ ۔ i ۔ یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول (النساء: ۵۹)

ii ۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن اطاع الامام فقد اطاعنی ومن

عصانی فقد عصی اللہ ومن عصی الامام فقد عصانی
(بخاری، کتاب الاحکام)

iii ۔ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کرہ من امیرہ شیئاً فلیصبر فانہ من خرج من السلطان شبراً مات میتۃ جاھلیۃ (بخاری، کتاب الفتن جلد دوم، صفحہ : ۱۰۴۵)

iv ۔ ان امر علیکم عبد مجدع یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا واطیعوا ۔ (مسلم، کتاب الامارۃ والعضاۃ)

v ۔ السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فی ما احب وکرہ مالم یومر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولاطاعہ (متفق علیہ)

ترجمہ :

i ۔ اے ایمان والو! اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔ اگر کسی معاملے میں تمہارے اور ان کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹو۔

ii ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی ۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی ۔ جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی ۔

iii ۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے تو اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے ۔ کیونکہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے بالشت بھر بھی دور رہا وہ جاہلیت کی موت مرا ۔

iv ۔ اگر تم پر کوئی نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے اس کی بات سنو اور اطاعت کرو ۔

v ۔ ایک مسلمان پر امیر کی اطاعت لازم ہے خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے جب تک کہ اسے خدا کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے ۔ اگر ایسا کیا جائے تو پھر نہ سمع ہے اور نہ طاعت۔

اس سلسلے میں مزید روایات کے لیے دیکھئے مسند احمد، جلد اول، صفحہ ۲۷۵۔

۹۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

i۔ الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ (بخاری، کتاب الاحکام، باب اطیعوا اللہ، جلد دوم، صفحہ ۱۰۵۷)

(ترجمہ) آگاہ ہو کہ تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ذمہ دار۔ اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں بازپرس کی جائے گی جو حکمران لوگوں پر حکومت کرتا ہے وہ نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں بازپرس کی جائے گی۔

ii۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، جلد اول صفحہ ۴۱۵۔

حکمران ڈھال ہے جس کی حفاظت کے ساتھ جنگ لڑی جاتی ہے اور جس کے ذریعے لوگوں کو تحفظ ملتا ہے اگر حکمران نے تقویٰ کا حکم دیا اور انصاف کیا تو اس کا اجر اسے ملے گا اور اگر اس کے برعکس کیا تو اس کا وبال اس پر پڑے گا۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا

(الکھف: ۲۸)

ترجمہ: اس کی اطاعت نہ کی جائے جس کا دل ہمارے ذکر سے تغافل ہے جو اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا عمل حد سے گزرا ہوا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

ولا تطیعوا امر المسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون

(الشعراء: ۱۵۱، ۲)

ترجمہ: اور ان حد سے گزر جانے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من امرکم من الولاۃ بمعصیۃ فلا تطیعوہٗ

ترجمہ: حکام میں سے جو تمہیں کسی معصیت کا حکم دے اس کی اطاعت نہ کرو۔
کنز العمال، جلد ششم (حدیث نمبر ۲۹۳، ۹۴، ۹۵، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۰۱۔

اس سلسلے میں مزید روایات کے لیے دیکھیے: بخاری، کتاب الاحکام، باب چہارم؛ مسلم، کتاب الامارۃ والقضاء باب ہشتم، ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب ۹۵۔

۱۰۔ علی المتقی، کنز العمال، جلد پنجم، حدیث نمبر ۲۵۰۵۔

۱۱۔ حسن ابراہیم حسن، النظم الاسلامیہ، (اردو ترجمہ مسلمانوں کا نظم مملکت دہلی، ۱۹۴۷ء صفحہ ۳۷۔

۱۲۔ کنز العمال، جلد پنجم، حدیث نمبر ۲۵۸۷۔

۱۳۔ ان اللّٰہ یأمرکم ان تودوا الامنت الیٰ اھلھا۔

۱۴۔ الانفال: ۲۷

۱۵۔ ابن تیمیہ، سیاستِ الٰہیہ (اردو ترجمہ، مترجم ابو القاسم رفیق دلاوری)، لاہور، پہلا ایڈیشن، صفحہ ۱۷

۱۶۔ التغابن: ۱۵

۱۷۔ ابن تیمیہ، صفحہ ۲۳، ۲۴

۱۸۔ شبلی نعمانی، الفاروق، لاہور، ۴۳۵

۱۹۔ ایضاً، ص۔ ۴۳۱

۲۰۔ ایضاً، ص۔ ۴۳۱

۲۱۔ شبلی نعمانی، الفاروق، لاہور، صفحہ ۲۲۹

۲۲۔

۲۳۔

۲۴۔ ہیکل، حسنین، عمر فاروق (اردو ترجمہ از حبیب اشعر) لاہور، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۵۹۲۔

۲۵۔ شبلی، الفاروق، صفحہ ۴۳۸، ۴۳۳، ۳۴۔

۲۶۔ حامد الانصاری، اسلام کا نظامِ حکومت، صفحہ ۹۶-۹۷۔

۲۷۔ ایضاً صفحہ ۱۱۶-۱۱۷۔

۲۸۔ ابن تیمیہ، سیاست الٰہیہ

۲۹ ۔ ابن تیمیہ، سیاست الٰہیہ ۔

۳۰ ۔ شبلی ، الفاروق، صفحہ ۲۷۱

۳۱ ۔ ایضاً ، صفحہ ۲۷۱

۳۲ ۔ ایضاً، صفحہ ۲۸۰ (الف) ۳۲ ہیکل، عمر فاروق ، صفحہ ۶۰۲

۳۳ ۔ شبلی، صفحہ ۲۱۸۔۱۹ نیز تفصیلات کیلیے دیکھیے "حضرت عمرؓ کے سیاسی نظریے" از امام خان نوشہروی لاہور

۳۴ ۔ ایضاً ، صفحہ ۳۰۲

۳۵ ۔ حسن ابراہیم حسن ، ڈاکٹر، النظم الاسلامیہ، صفحہ ۳۷ ۔

۳۶ ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل امام ، الجامع الصحیح ، کتاب الاحکام ، باب ۸

۳۷ ۔ علی المتقی ، کنز العمال ، جلد ششم حدیث نمبر ۱۲۲،۶۸

۳۸ ۔ ایضاً ، جلد پنجم ، حدیث نمبر ۲۵۱۲

۳۹ ۔ ہیکل، حسنین ، عمر فاروق ، لاہور ، صفحہ ۶۰۱

۴۰ ۔ بخاری بحوالہ ابن تیمیہ ، سیاست الٰہیہ ، صفحہ ۴۷

۴۱ ۔ النساء : ۵۸

۴۲ ۔ ابن تیمیہ ، سیاست الٰہیہ ، صفحہ ۳۸

۴۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۳۸

۴۴ ۔ ایضاً ، صفحہ ۴۷

۴۵ ۔ ایضاً ، صفحہ ۴۸

۴۶ ۔ ایضاً ، صفحہ ۶۳

۴۷ ۔ ایضاً ، صفحہ ۶۳ ۔ ۴

۴۸ ۔ بحوالہ ایضاً ، صفحہ ۶۴

۴۹ ۔ ایضاً ، صفحہ ۶۴

۵۰ ۔ ایضاً ، صفحہ ۶۵ ۔ ۶۶

۵۱ ۔ خلاصہ از مودودی ، مولانا ، اسلامی ریاست ، ۳۴۳ ۔

۵۲ ۔ ابن تیمیہ ، صفحہ ۶۵